خوشبوئے خیال

مجموعۂ غزل

اے ثمرؔ ہے ترے اشعار میں خوشبوئے خیال
ہے ثمر وار فضا آج یہ معلوم ہوا

ثمرین ندیم ثمرؔ

خوشبوئے خیال
ثمرین ندیم ثمرؔ

ثمرین ندیم ثمر کے مجموعہ کلام "خوشبوئے خیال" کی تیسری اشاعت بعد از ترمیم و اضافہ صاحبان ذوق کے لیے پیش خدمت ہے۔

ثمر کے تخلیقی سرمائے میں غزلیات بھی ہیں اور نظمیں بھی، لیکن صاف ظاہر ہوتا ہے کہ شاعرہ کو غزل گوئی سے ایک فطری مناسبت ہے۔ ان کی غزلوں میں سادگی اور خلوص، وہ دو عناصر ہیں جس سے ان کی شعری پیشکش کو بالاستعیاب پڑھنے کی تحریک ملتی ہے۔ محبت کا جذبہ ثمر کی شاعری کا بنیادی محرک ہے۔ یہ ایک ایسا جذبہ ہے جو نہ کبھی پرانا ہوتا ہے اور نہ ہی اس کے اظہار سے ادبی کلیشے وجود پاتے ہیں۔ شرط ہے تو بس اتنی کہ شعر گوئی اور شعری اخلاص میں دوئی نہ ہو۔

ہم جانتے ہیں کہ مجرد شعری ذوق، اقداری فیصلے نہیں کر سکتا۔ اس کے لیے ہمیں چند خصوصیات کو بہ ہر حال نظر میں رکھنا ہوتا ہے، مثلاً:

الفاظ کا چناؤ اور ترتیب، روانی، ہمواری، فنی برتاؤ، پختگی، محاورہ بندی، کثرت معنی، منظم فکر

ظاہر ہے یہ ایک مکمل فہرست نہیں بلکہ ایک اجمالی خاکہ ہے جس کے چوکھٹے میں ہم شاعری کو پڑھتے، اس سے حظ اٹھاتے اور بہ طور قاری تعین قدر کے مراحل سے گزرتے ہیں۔

تنقید اپنی وجودیاتی سطح پر تخلیق سے کم ہے لیکن تخلیق کے حرکی اور متنوع الجہات پہلو کو اجاگر کرنے کے لیے جب کبھی ثمرین ندیم ثمر کی غزلیات کو تنقیدی معیار کی کسوٹی پر جانچا جائے گا تو جمع تفریق کے بعد زر خالص ہی برآمد ہوگا۔

اس وقت تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ بہ طور قاری میں ثمر کی غزلیات کا مطالعہ کرتے ہوئے جس چیز کو محسوس کرتا ہوں وہ دائرہ در دائرہ ایک ایسی انبساطی کیفیت ہے جو قاری کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہے۔ سماجی ابلاغ عامہ کے شور و غل اور آج کل کے بے ہنگم بھیڑ بھڑکے میں اگر کوئی شعری پیشکش اپنا قاری پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے تو یہ کوئی معمولی بات نہیں۔

سید ایاز محمود

خوشبوئے خیال کی ثمرآوری

ثمرین ندیم ثمر، کی بستان ادب میں نو واردگی، گویا مشام فکر و فن میں ایسی خوشبو کا علانیہ ہے، جس نے مشق سخن کی پگڈنڈی پر چل کر اپنے لیے راستہ بنایا ہے۔ ثمرآوری کے اس تناظر میں، شعریاتی گھمنائیوں سے ثمرین کا خوش خرام گزران اور فکر و خیال کو فن شعر کی آمیختگی سے نکھر نکھرا کر "خوشبوئے خیال" کا یہ واشگاف اعلان ہی درحقیقت ثمر کی اعتماد کا مظہر ہے۔

مشق و مزاولت سے، فن کی گتھیوں کا سلجھاؤ جب فکر کی بالیدگی سے ہم آہنگ ہو کر، فکر و فن کا ادبی خمیر اٹھاتا ہے تو ثمر کی "خوشبوئے خیال" وجود پاتی، خود کو متواتی اور خراج کی تحسینیت کی ثمرآوری کا حظ اٹھاتی ہے۔ ثمرین ثمر نے حرف و صوت کے تموج میں، موج در موج جوار بھاٹے میں خود کو کھپایا اور، بہت کم عرصے میں زلف عروض کی عروسانہ مشاطگی سے شعریاتی الجھن کو سلجھن سے مبدل کر کے، ایسی فنی دست کاری دکھائی کہ عروضی چابک دستی کے فطری بہاؤ سے ایک جداگانہ راہ تراشی اور فن کی بالیدگی میں اختراع وجودت سے مجھ خاکسار کی مخترع بحر، بحر رجل منسطر میں مشق بہم پہنچا کر فن کے پتھر کو پانی کر دکھایا۔

مذکورہ بالا اختراعی بحر میں خوش کلامی سے ثمر نے خوب ثمریابی سمیٹی ہے، جس پر تحسین و تہنیت کی حق داری، حق بحق دار رسید کا مصداق ٹھہرتی ہے۔

ثمرین کے اس فکری و فنی اعتماد نے گویا واشگاف کر دیا ہے کہ شعریاتی محن سے گزر کر، محنت، مزاولت اور مشق سے یقیناً، شعری عہد نامہ جدید کی بااعتماد بوطیقائی فضا کا رخ کی جا سکتی ہے۔

آپ کے ہاتھوں میں "خوشبوئے خیال" بکھر کر نکھرنے ہی کو ہے۔ سو، کاروان فکر و شعر میں، نو وارد او ثمر کا خیر مقدم یقیناً ثمرین کی ثمرآوری کے نقش اول کو، نقش جمیل کی بازیافت پر مائل کیے رکھے گا۔

خیر اندیش و دعا گو

ڈاکٹر آفتاب مضطر

ثمرین ندیم ثمر

اے ثمرؔ ہے ترے اشعار میں خوشبوئے خیال
ہے ثمر وار فضا آج یہ معلوم ہوا

معیاری، دیدہ زیب اور اغلاط سے مبرا اشاعت YAF کا امتیاز

نام کتاب	:	خوشبوئے خیال
موضوع	:	شاعری
شاعرہ	:	ثمرین ندیم ثمر
عکسی تصویر	:	خواجہ محمد اعظم (ورلڈ فیم فوٹو گرافر)
اشاعت سوم	:	(ترمیم اور اضافہ شدہ) مئی۔ ۲۰۲۳ء
قیمت	:	۷۰۰ روپے / ۲۰ ریال
زیر اہتمام	:	YAF Publicaiton UK
بہ اشتراک	:	Beyond Time Publication Karachi
ملنے کا پتہ	:	ویلکم بک پورٹ، کراچی

برائے رابطہ: ثمرین ندیم ثمر

دوحہ۔قطر:97433079168+ کراچی:9222288271+

samreen2574@gmail.com

خصوصی تشکر

یارکشائر ادبی فورم، برطانیہ (جملہ اراکین)

بیونڈ ٹائم پبلی کیشنز، کراچی

ISBN : 978-1-7398680-4-8

تاہم تسامح کی نشان دہی پر ادارہ شکرگزار ہوگا

اِنتساب

اپنے شفیق والد

احمد کریم عالمگیر لغاری (مرحوم)

جو خود بھی شعر و ادب کا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے اور گاہے گاہے

اشعار بھی کہا کرتے تھے۔

محترمہ والدہ

نجمہ کریم صاحبہ

اور

شریکِ حیات

عبدُ الرّحمن ندیم سے معنون

جنہوں نے میرے ذوق کو جلا بخشی اور کامیابی کی طرف

گامزن کیا۔

ماں باپ کی وجہ سے ہیں جنّت کے در کھلے
اُن کی دُعاؤں سے یہاں قسمت کے در کھلے
ہے اِس جہاں میں رب کا حسیں رُوپ والدین
مجھ پر انہی کے دم سے عنایت کے در کھلے

خصوصی حرفِ سپاس

ڈاکٹر آفتاب مضطر صاحب کا خصوصی شکریہ کہ برائے صلاح و اصلاح، اُن کی مشورت سے مجموعۂ ہٰذا کو اعتبار اور مجھے اور میری تخلیق کو اعتماد حاصل ہُوا۔

ادبی آپ نے مجموعے کو بخشا ہے جمال
ہوئی خوشبوئے خیال آپ سے خوشبوئے خیال

اجمال

حسن ترتیب

خوشبوئے خیال نسائی اظہاریہ

آج جس شاعرہ کا مجموعہ کلام ''خوشبوئے خیال'' میرے ہاتھ میں ہے ان کا نام ثمرین ندیم ثمر ہے۔ اس پردیسی شاعرہ کا تعلق پاکستان سے ہوتے ہوئے بھی اب پاکستان سے نہیں بلکہ قطر سے ہے۔ مگر دل کی سرزمین پر آج بھی وطن عزیز کے رنگ برنگے پھول کھلتے ہیں۔ وہ وطن سے دور ضرور ہیں مگر اپنی تہذیب وثقافت، اقدار وروایات سے دور نہیں ہو پائیں۔ وطن کے لالہ زار کی خوشبو، جھرنوں کی مدھر آواز، چودھویں رات کا سحر، بدلتے موسم، اونچی نیچی کھائیاں، ساحل کی ریت پر لکھا کوئی خاص نام، بارش، تتلی، بیر بہوٹی، کاغذ کی کشتی، چھتنار بھرے درختوں کی گھنی چھاؤں، اوس سے بھگی کونپلیں، ڈھلتا سورج، ابھرتا چاند، غبار، دھواں، چاندنی اور پہلی محبت، یہ سب جب خیال کی دنیا میں ہلچل مچانے لگے تو خیالات نے لفظوں کا روپ دھار لیا اور اشعار تخلیق ہونے لگے۔ البتہ زمینی فاصلے نے ان کے کلام میں اداسی بھر کر ہجری رنگ عطا کر دیا، اس کے باوجود ان کا کلام شاعرانہ حسن سے مالا مال ہے۔

محبت جو صرف غزل کا ہی نہیں پوری کائنات کا حسن ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ محبت کے بغیر پوری کائنات ہی ادھوری ہے تو بے جا نہ ہوگا اور یہ محبت ثمرین ندیم ثمر کی شاعری کا محور ہے جس کے گرد ان کی نسائیت، تنہائی، کرب وملال، حسن ورعنائی، جذباتیت وغیرہ گھومتی نظر آتی ہے۔ وہ کہتی ہیں۔

وہ اجنبی جو کبھی اپنے لگنے لگتے ہیں
تو ان کے ساتھ زمانے ٹھہرنے لگتے ہیں

جو لوگ روح میں اترے ہوں روشنی کی طرح
وہ ساتھ ہوں تو مقدر سنورنے لگتے ہیں

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا سب کچھ عشق ہے، محبت ہے اور انسان دوستی ہے۔ محبت اور عشق کی راہگزر پر قدم رکھتی ہیں تو پھر یہی ان کی زیست ناپائیدار کے لیے جزو لاینفک بن جاتا ہے ملاحظہ کیجیے:

رات ڈھلتی رہی اور خواب سلگتے ہی رہے
آگ حسرت کی تھی ارمان مرے جلتے ہی رہے
جانے کب صبح ہوئی جانے کہاں دن نکلا
ہم تو مالائیں ترے نام کی جپتے ہی رہے

ایسا کیونکر ممکن ہے کہ محبت ہو تو ارمان نہ ہو، ہجر نہ ہو تڑپ نہ ہو، محبت تو ہجر و وصال سے عبارت ہے، اور ثمر صاحبہ نے بھی محبت کی تمام تر وارداتوں کا اظہار کیا ہے۔ محبت کی وارفتگی کا اظہار ہے تو ہجر کا کرب بھی موجود ہے محبوب کا ہرجائی پن ہے تو شکوہ بھی نظر آتا ہے۔ مگر ان شکوؤں میں سنجیدگی، متانت اور تحمل کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔

دل کا افسانہ سراسر یوں سلگتا ہی رہا
ہم جفا پر تری یہ ہاتھ یوں ملتے ہی رہے
اک ثمر تھی کہ کیا خود کو حوالے تیرے
ایک تو تھا، ترے اطوار بدلتے ہی رہے

اب تک تو شاعرہ نے روایت کا ساتھ دیا مگر ہے تو وہ بھی آج کی عورت جسے مردوں کی برابری پر یقین ہے اب چاہے محبت ہو جفا یا بے وفائی عورت ہمیشہ سیتا یا مریم کے روپ میں ہی نہیں ملتی ہے کبھی کبھی وہ دُرگا بھی بن جاتی ہے۔ جب اس کی محبت کی اور اس کے آنسوؤں کی اور اس کی دعا کی

قدر نہ کی جائے تو وہ بھی انداز بے نیازی اپنا لیتی ہے۔ اس قبیل کا ایک شعر ملاحظہ کیجیے:

آپ قسمت میں نہ تھے ہم بھی کوئی کم تو نہ تھے
ہم جفا کار سہی آپ بھی اکرم تو نہ تھے

ہجرت اردو شاعری کا بہت بڑا استعارہ ہے وجہ چاہے اقتصادی خوشحالی ہو یا سیاسی پناہ مگر ترک وطن کر کے دیار غیر کو اپنانے والوں کا اپنا ایک کرب ہوتا ہے۔ کہیں رشتوں کی یاد تڑپاتی ہے تو کہیں وطن کی دوری روح پر بوجھ بنتی ہے۔ نہ چاہنے کے باوجود مہجری شعراء کا یہ دکھ ان کے کلام میں نظر آجاتا ہے۔ ثمرین ندیم ثمر نے بھی مختلف موضوعات کے تحت ہجرت کے استعارے کو بیان کیا ہے۔ ان میں تنہائی، اجنبیت، اداسی، بے گھری کا احساس، ماضی کے گمشدہ اوراق سے حال کا موازنہ اور گھر والوں کی یاد ادھورے خوابوں کی تڑپ اور منتظر محبتوں کا داغ مفارقت شامل ہے۔

وطن سے دور رہتے ہوئے بھی اپنے وطن کی بدحالی، افلاک، بھوک، غلط رسموں کے بھینٹ چڑھتے انسان کو دیکھ کر شاعرہ کا دل تڑپ اٹھتا ہے۔

المختصر: ثمرین ندیم ثمر نے اپنے کلام میں حسن و عشق، ہجر و وصال، آشوب وطن، حب الوطنی جیسے موضوعات پر فنی کمالات کے ساتھ اشعار مرتب کیے ہیں۔ ان کا مجموعہ کلام ''خوشبوئے خیال'' صنف نازک کے خیالات کا ترجمان ہے۔ میری دعا ہے کہ ان کا قلم اسی روانی سے چلتا رہے۔ اس کتاب کی اشاعت پر میں شاعرہ ثمرین ندیم ثمر کو دل سے مبارک باد پیش کرتی ہوں۔

ڈاکٹر یاسمین سلطانہ
صدر، شعبہ اردو، وفاقی اردو یونیورسٹی، کراچی

ثمر کی شاعری

ثمرین جدید دَور کی ایک اُبھرتی شاعرہ ہیں اور یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اُن کی قلم کی نوک سے پھول جھڑتے ہیں اور اِس طرح اُنہوں نے معروف اہل قلم کی فہرست میں اپنے خوبصورت نام کا اضافہ کر دیا ہے۔ ثمرین ایک حساس دل رکھنے والی شاعرہ ہیں جس کے جزبات اور احساسات ان کی شخصیت کی غمازی کرتی ہیں۔ وہ موجودہ سماجی حالات سے بھی بہت باخبر ہیں۔ ملاحظہ کیجیے ؎

اِن چراغوں کو آج جلنے دو
روشنی ہر طرف بکھرنے دو
تیل اب کے نہیں لہو ہے مرا
اب مخالف ہوا کو چلنے دو

ایک اور ان کا خوبصورت شعر ہے ؎

تیرے باعث خدا ملا ہے مجھے
تجھ ہی کو مانگنے کی عادت ہے

کیا بات ہے۔ اِن کی غزلیں اپنی شناخت اور اپنی تشخص کے حوالے سے اپنی مثال آپ ہیں جو علمی اور ادبی لحاظ سے قاری کے دل کو چھو لینے والی ہیں۔ جیسے کہ اِن کا شعر ہے ؎

جھیلتے جاتے ہم اور کتنا محبت کا فسوں
ہم پہ آلامِ دِگر ویسے بھی کم تو نہ تھے

اپنے وطن عزیز ارضِ پاک سے دِلی لگاوٹ کو اپنے مخصوص اسلوب میں بیاں کرنا ان کی ہی قابل تعریف کوشش ہے۔

میری شان ہے میرا وطن
میرے دِل کی ہر دھڑکن
سب اس پہ نثار کرتی ہوں
میں اس سے پیار کرتی ہوں

الغرض یہ کہ شاعرہ نے ہجر و وصال، حسن و عشق، راہ گزر اور سفر، خواب و تعبیر، سماجی اور بہبودی جیسے روایتی موضوعات پر دل کھول کر نقش نگاری اور کرشمہ سازی کی ہے جو ایک قاری کو مرعوب اور متاثر کرنے کے لیے کافی ہے۔ ان کی غزلیں اپنی بساط، مزاج اور ذوق کے مطابق ہلکے پھلکے پیرائے میں اپنا مدعا بیان کرتی ہیں۔ میں نا صرف ان کا مجموعہ کلام خوشبوئے خیال کا معترف ہوں بلکہ شاعرہ کے لیے نیک خواہشات کا متمنی ہوں اور اس مجموعہ کلام کی اشاعت پر بہت مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

عبدالسلام عارف

خوشبوئے خیال کی عالی خیال شاعرہ

کہا جاتا ہے کہ انسان اور کتاب کا رشتہ اتنا ہی قدیم ہے جتنا خود انسانی تہذیب و تمدن کا سفر۔ شعر، اظہار کے ذرائع میں وہ مؤثر ذریعہ ہے جس سے انسان اپنی بات دوسروں تک پہنچاتا ہے- یہ فیصلہ تو قارئین کریں گے کہ محترمہ ثمرین ندیم ثمر اپنی شاعری کے ذریعے اپنا پیغام کس حد پہنچانے میں کامیاب ہوئی ہیں۔ تاہم ثمرین ثمر نے مجموعے کے سرنامہ میں، معروف ادبی شخصیت، ہمہ جہت شاعر اور علم عروض کے ماہر یعنی ڈاکٹر آفتاب مضطر صاحب کا خصوصی شکریہ ادا کیا ہے کہ انھوں نے مجموعے کی نوک پلک کی درستی اور اصلاح فرمائی ہے۔ نیز ڈاکٹر موصوف نے بھی اپنے اظہاریے میں ثمرین ثمر کی عروض سے دل چسپی اور فنی پختگی سے مشق بہم پہنچانے پر ان کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے۔ سو، یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ فنی اور تکنیکی طور سے یہ مجموعہ اپنا ادبی وقار اور اعتبار قائم کرے گا۔

اس اعتبار سے محترمہ ثمرین ندیم ثمر کا یہ پہلا مجموعہ کلام، وطن سے دُور قیام پذیر شاعرہ کے فکری و فنی سفر کے میلانِ طبع کا سچا اور سادہ شعری اظہاریہ کہا جا سکتا ہے۔ یعنی وہ شاعرہ جو گوناں گوں گھریلو ذمہ داری سے بھی انصاف کرتی اور شعر و سخن کے پودے کی آبیاری بھی خاموشی سے کرتی رہی ہیں۔ ان کی شاعری، جہاں انسانی جذبات اور مہذب ادبی رویے کی شاعری ہے۔ وہیں ایسے دردمند انسان کی شاعری جو نسائی احساسات کے ساتھ ساتھ مشرقی آدرش اور تانیثی خوابوں کی تعبیرات سے تعبیر کی جا سکتی ہے۔ اگرچہ خواب ادھورے ہی کیوں نہ رہ گئے ہوں، مگر تعبیروں کی دھن میں سرگرداں تخلیق کار کے یہ سچے خواب ضرور ہیں۔

وہ اپنی شاعرانہ محسوسات سیدھے سادے اور سہل ممتنع پیرائے میں بیان کر دیتی ہیں اور یہی سادگی ان کے اظہار کو پُرکاری سے جوڑ دیتی ہے۔ ان کے یہ اشعار اسی سادگی کا غماز ہیں،

ملاحظہ فرمایئے:

اگر رستہ بدلنا تھا تو میں پہلے بدل لیتی
تمھارا چھوڑ کر میں ہاتھ طوفاں سے نکل جاتی
علی الاعلان تم نے آج کیوں پیمان توڑا ہے
تمھارے جھوٹے وعدے سے بہلتی تھی , بہل جاتی

خواب باقی ہے رات باقی ہے
نیند کی کائنات باقی ہے
اور کچھ دیر جاگنا ہے مجھے
کچھ ستاروں سے بات باقی ہے
نیند جس نے اُڑائی ہے میری
اُس کے غم سے نجات باقی ہے

انھوں نے زندگی کے تجربات اور خوش گوار اور ناگوار حادثات کو بھی موضوع بنایا اور شاعرانہ و فنی اختراع کو راہ دے کر جذبات و احساسات اور فنی مشاقی سے، ڈاکٹر آفتاب مضطر کی اختراع کردہ بحر رجل مضطر میں، عروضیانہ دست گاہی اور مشق سخن سے فنی تجربے کو خوش آہنگی کے برتاؤ کے ساتھ جس آسانی سے انجام دیا ہے، یہ ان کی فنی اور شعریاتی دل چسپی کے ساتھ ساتھ شعریاتی پختگی کا واشگاف اعلان بھی ہے۔

بکھر گیا یہ گلستاں تو کلی سے پوچھا
قصور اپنا نہیں تھا سو تجھی سے پوچھا
بہار میں ہی خزاں کا سمے آیا کیسے
کہ تتلیوں نے بھی قصہ یہ ہمیں سے پوچھا

مِرے چمن میں کِھلا تُو گلاب کے مانند
اندھیری رُت میں ملا آفتاب کے مانند
بنے ہیں رحل مرے ہاتھ اور ترا چہرہ
ہتھیلیوں پہ دھرا ہے کتاب کے مانند

یارکشائر ادبی فورم کے اشاعتی ادارہ YAF Publication کو یہ اعزاز حاصل ہو رہا ہے کہ ثمرین ندیم ثمر کا یہ شعری مجموعہ یارکشائر ادبی فورم کے زیر اہتمام شائع ہونے جا رہا ہے۔ یف پبلیکیشن کے تحت چھپنے والی یہ پانچویں کتاب ہے۔ نیز یہ کہ مذکورہ مجموعہ ڈاکٹر آفتاب مضطر موصوف کی زیر نگرانی اشاعت پذیر ہے، سو قوی امید ہے کہ یف پبلی کیشن کی دیرینہ روایت کے مطابق، یقیناً صُوری اور معنوی لحاظ سے دیدہ زیب اور دل پذیر بھی ہوگا۔

میں، یارکشائر ادبی فورم کے جملہ اساسی اراکین اور محبین و عاملین کی جانب سے انھیں دلی مبارک باد پیش کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ کریم انھیں مزید ترقی اور سرخروئی عطا فرمائے۔

اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

اشتیاق میر

یارکشائر ادبی فورم برطانیہ

پُراعتماد لہجے کی پاسدار ثمرین ندیم ثمر

شاعری کو اگر فن کے بجائے اپنے جذبات و مشاہدات کو رقم کرنے کا بہترین ذریعہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ فنی محاسن کے ساتھ ساتھ ایک شاعر کا خیال اس کے علمی و تخلیقی سفر اور احساسات و جذبات کے ادراک کا ترجمان ہوتا ہے۔ خواتین شاعرات کا منظر نامے پر ہونا ان کی وجودیت اور ان سے وابستہ مسائل کو آشکار کرنے کے لیے اثبات فراہم کرتا ہے۔ پراعتماد شاعرات کے کلام کا ذکر کیا جائے تو ثمرین ندیم ثمر کے کلام کو پڑھ کر ان کے خیال سے آنے والی خوشبو کا معترف ہونا پڑتا ہے۔

ثمرین ندیم ثمر کے پاس بیان کا وہ انداز اور ادا ہے جو نسائی شاعری میں شاذ معلوم دیتا ہے۔ یہ شاذ و نایاب انداز ہی ثمرین کی شناخت ہے جو ان کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کی عکاسی کرتا ہے، جہاں وہ تیقن کے ساتھ ساتھ حاصل اور لاحاصل کو اپنی شاعری کا مرکز بناتی معلوم ہوتی ہیں وہیں ان کی غزلوں میں ایک طمانیت بھری متانت سے سرشار فضا بھی صاف محسوس کی جا سکتی ہے۔ ایک شعر ملاحظہ کیجیے:

خواب باقی ہے رات باقی ہے
نیند کی کائنات باقی ہے

ان کے اکثر اشعار میں امید اور یقین کی کیفیت نظر آتی ہے جس کا اندازِ بیان ادب برائے ادب اور ادب برائے زندگی کے اشتمال کی وجہ سے مستقل سفر کی حالت میں محسوس ہوتا ہے۔ فنی اور تکنیکی اعتبار سے ثمرین ایک ایسی شاعرہ ہیں جن کا ادبی سفر خاص رفتار سے جاری و ساری ہے۔ مختلف اشعار میں مختلف موضوعات کو اپنا شعری مرکز بنانے کا طور اس امر کا اعلان ہے کہ ان کی لفظیات اور شعریاتی بنیاد پر ان کی غزل، ان کے شخصی اثمار میں سے ایک ثمر معلوم ہوتی ہے۔

جو لوگ روح میں اترے ہوں روشنی کی طرح
وہ ساتھ ہوں تو مقدر سنورنے لگتے ہیں

خوب صورت بیان اور عام فہم بات کو الفاظ کا جامہ پہنا کر اسے خاص کر دینا، ثمرین کی وہ خوبی ہے جو ہر تخلیق کار کا خواب ہوتی ہے۔ نسائی لہجے کا پاس رکھتے ہوئے جدت اور روایت کے امتزاج کو ملحوظ رکھنا بھی ان کی ایسی شعری خصوصیت ہے جس کی بنا پر وہ اپنے ادبی سفر کا تانا بانا بن رہی ہیں۔

ایک شعر دیکھیے:

خوشبوئیں آنے لگیں کردار سے
اک نیا مجھ کو سویرا مل گیا

لفظ خوشبو کے استعمال کا ایسا انداز ان کی شاعرانہ شناخت کو برقرار رکھتا ہے اور ان کو ادبی منظر نامے میں سرخرو کر رہا ہے۔

نیند جس نے اڑائی ہے میری
اس کے غم سے نجات باقی ہے

علی الاعلان تم نے آج کیوں پیمان توڑا ہے
تمھارے جھوٹے وعدے سے بہلتی تھی بہل جاتی

ثمرین کے اکثر اشعار ان کے باطنی وجود کی ترجمانی کرتے ہیں جس میں ایک پر اعتماد لہجے کی شاعرہ، انسانی الجھنوں اور آرزوؤں کی مختلف جہات پیش کرتی نظر آتی ہے۔ آج کی عورت کے خالص انفرادی وجودی مسائل اور ان کی نشاندہی کے لیے اپنے احساسات وجذبات کو رقم کرنا نہ صرف ان کی بلکہ معاشرے میں موجود ہر عورت کی روداد ہے۔ فکری وتخلیقی اعتبار سے ثمرین ندیم

ثمر شعور کی منازل طے کرتے ہوئے اپنے کلام کی بنیاد ادبی منظر نامے کی ایک خوش آئند مثالیہ بن کر ابھری ہیں اور اپنی آمد کا اعلان کرتی دکھائی دیتی ہیں۔

امید واثق ہے کہ وادیِ سخن میں خوشبوئے خیال" اپنی تازگی اور مہک سے یقیناً قاری کو طمانیت بخش کیفیات مہیا کرے گی۔

تسنیم حسن
وائس چیئر پرسن
یارکشائر ادبی فورم برطانیہ

ثمرین ندیم ثمر کی شاعری، قطر کی نسائی آواز

خطہ عرب کی سرزمین کا اردو زبان وادب سے بہت گہرا اور پرانا رشتہ ہے۔ برصغیر پاک وہند کے علاوہ تاریخی سطح پر اِس سرزمین نے اردو کو ہمیشہ ترویج وترقی اور استحکام دینے کی کوشش کی ہے۔ قطر میں جہاں دیگر معیارِ زندگی اور آسائش زندگی کو بہتر اور آسان بنانے کی مشق نہایت تیزی سے جاری ہے ،وہیں اردو زبان و ادب کی ترویج اور فروغ کے حوالے سے بھی یہاں کئی تنظیمیں اور ادارے متحرک ہیں۔ یہاں اردو شعراٗ کے لیے مشاعرے کی محفلیں منعقد کروانا اور کرنا اہم ہی نہیں بلکہ مذہبی ثقافت اور زبان کے حوالے سے نہایت کامیاب رہے ہیں۔

کہتے ہیں کہ شاعری اپنی سرزمین پر اُگنے والا وہ پھول ہوتا ہے جو موسم کی سختی ونرمی پہچاننے کے بعد اپنے رنگ وخوشبو سے عالم میں ایک انفرادی پہچان بناتا ہے۔ اردو کی کلاسیکل شاعری کا جائزہ لیں تو عرب اور ایران سے ہجرت کر کے برصغیر میں منتقل ہونے والے ادیب وشعراٗ کی تصنیفات میں اُن کے وطن کی یاد اور خوشبو بسی ہے۔ چنار کے درخت سے لپٹی یادیں اور نارنگی کی خوشبو میں سفر کرتے شب و روز برصغیر میں بسنے کے باوجود بھی اُن کی تصنیفات میں اپنا عکس دکھلاتے ہیں۔ ان شعراٗ و اُدباء کے کلام سے ان کی آبائی وطن سے ہجرت کی جھلک نسل در نسل دکھائی دیتی ہے اور اسی جھلک سے وہ اپنے مہجری رنگ کو اپنے فن کلام سے باہر نہیں نکال سکتے ہیں۔ ان کے ادب وشاعری میں سوسن وگلاب موتیا اور چنبیلی پر ہمیشہ حاوی رہے۔ یہی مہجری ادب وشاعری کا حسن ہے کہ ادیب یا شاعر اپنی فکر میں بسی اپنے وطن کی یاد بھی پردیس ساتھ لے جاتا ہے اور وہاں بیٹھ کر یادِ وطن میں وہ شعری گل کاریاں کرتا ہے کہ اس فن پر قاری، سامع اور ناظر اپنا دل اپنی مٹھی میں محسوس کرتا ہے۔

ثمرین ندیم ثمر نے اپنی شاعری اور یادِ وطن کو جس انداز میں سینچ کر پروان چڑھایا ہے۔ آج وہ

دونوں ایک دوسرے میں جذب ہو کر ان کے شعری کلام کو ایک ایسا حسن عطا کر گئے ہیں جو پردیس میں بیٹھے ہر شاعر یا شاعرہ کو قدرت عطا نہیں کرتی۔ بلاشبہ اس معراج تک پہنچنے کے لیے ثمرین ندیم ثمر کی اَن تھک محنت اور شاعری کی اکتسابی مشق مسلسل شامل ہے جو اُن کے ذوقِ مطالعہ اور شعری جمالیات کے فن کی گہرائی بھی دِکھاتی اور نرم وگداز جذبوں سے گندھی وہ نظمیں بھی پیش کرتی ہیں جو قطر میں نسائی اردو شاعری کے لیے اُن کی پہچان بنی ہیں۔

ثمرین ندیم ثمر کی شاعری میں اگر لفظی تراکیب اور تشبیہات واستعارات کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات بھی واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ وہ اپنا شعر تخلیق کرتے ہوئے غیر ضروری تزئین کاری اور ثقیل الفاظ کے چناؤ و برتاؤ سے اجتناب کرتی ہیں۔ اُن کی یہ غیر دانستہ سعی ایسی ہے جو کہ صرف اُن کے قاری کو ذہن پر زور ڈالنے سے گریز کروا کر شعر کا حظ اٹھانے کی طرف راغب کرتی ہے بلکہ موجودہ عصری شاعری میں ان کے کلام کو مقبول و عام فہم بنا کر دنیا کے ہر خطے میں بسے اردو سے محبت کرنے والے کے قریب لے جاتی ہے۔ ان کا سہل ممتنع میں شعر کہنا آج کے اس دور کی شاعری کی اہم ضرورت ہے کہ جہاں آج نئی نسل اردو شاعری کی طرف راغب اس لیے بھی نہیں ہو رہی کہ شعری مضامین کو شعراٗ پیچیدہ اور گھمبیر بنانے کے ساتھ ساتھ اُسے ثقیل الفاظ کا بھی لبادہ پہنا دیتے ہیں اور ان کا یہ عمل انہیں ادب کے عام قاری سے دور لے جاتا ہے۔

میں ثمرین ندیم ثمر کو اُن کے فن کے حوالے سے اردو صحرا میں ایک ایسا نخلستان قرار دیتے ہوئے دُعا گو ہوں کہ اُن کی شاعری کی متنوع لہجے کی مہک اور تازگی نسائی شاعری کی راہ پر آنے والی نوجوان شاعرات کو نمائندگی عطا کرے اور مستقبل میں وہ ایک نامور اردو شاعرہ کی حیثیت سے وہ مقام پالیں جس کی اردو زبان سے منسلک کئی اہم شاعرات متمنی ہیں۔

عشرت معین سیما

فرینکفرٹ۔ جرمنی

شاعری کامہکتاغنچہ دان

سنسکرت، فارسی، عربی، ترکی اور انگریزی جیسی قدیم شاندار تہذیبوں کی زبانوں کا حسین امتزاج اردو زبان، اس امتزاج کا ارتقاء تابندہ صورت اردو شاعری۔اردو شاعری کے حوالے سے ایک حیرت انگیز حقیقت یہ ہے کہ آج کے مابعد الجدیدی دور میں جہاں فنی تخلیقات کے پرانے روایتی مروّجہ کلیوں، اسلوب اور بندشوں کو سبوتاژ کیا جارہا ہے وہیں اردو شاعری میں خاص طور پر غزل کی صنف اپنے روایتی نظامِ اوزان کو نہ صرف محفوظ بلکہ نئے موضوعات کو خود میں سموکر اپنے اسلوب کو تنوع اور ارتقاء بھی بخشتی جارہی ہے۔اردو زبان کو غزل گوئی کے حوالے سے یہ خاص شرف حاصل ہے۔

عالمی سطح پر اس دورِ نثری نظم میں بھی ہماری نئی نسل کا غزل گوئی میں اشتیاق اور سیکھنے کی لگن بہت خوش آئند ہے۔نئی شاعرات کے اس گروہ میں ایک نام ثمرین ندیم ثمر کا ہے۔میری ان سے پہلی ملاقات ایک سال قبل حلقہ اربابِ ذوق کراچی کی آن لائین ادبی نشست میں ہوئی۔ان کی کچھ وزن سے عاری خام غزلیں سننے کا اتفاق ہوا۔خوش آئند پہلو یہ تھا کہ ان خامیوں کے اظہار کرنے پر انہوں نے نہ صرف خندہ پیشانی سے ان نقائص کو قبول کیا بلکہ اس فن کو سیکھنے کا مصمّم ارادہ بھی ظاہر کیا۔اگلی چند نشستوں میں جب اُن کے اس ارادے کو پرکھا گیا تو ان کا وہ دعویٰ واقعی مصمم نکلا۔اردو شاعری میں طالب علمی میں خلوص کی یہ مثال دس میں سے ایک فرد میں نظر آتی ہے۔ایک سال بعد جب ان کے پہلے مجموعہ کلام 'خوشبوئے خیال' کے دوسرے ایڈیشن کا مسودہ جب زیر مطالعہ آیا تو یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کو وہ اُن نقائص سے پاک تھا۔جب فون پر کچھ گفتگو ہوئی تو یہ جانچ کر حیرت ہوئی کہ وہ غزل گوئی کے فن سے کافی حد تک آشنا ہو چکی ہیں۔یقیناً یہ ان کی طلب علمی میں سنجیدگی، خلوص اور مستقل مزاجی اور ریاضت کا ثبوت ہے۔گویا ثمرین ندیم ثمر اس معاملے میں منفرد اور چنیدہ ہوئیں۔ان کی اسی خصوصیت نے راقم الحروف کو

ان کے پہلے مجموعہ کلام پر قلم اُٹھانے پر مجبور کیا۔کتاب کی ابتدا حمدیہ کلام سے عمدہ طور پر کی ہے۔دو اشعار ملاحظہ ہوں ؎

ابتداً جب کسی کام کی کرنی ہو
لب پہ جاری کرو نام اللہ کا
دیکھتے جاؤ گے ہر طرف معجزے
بس زباں پر رکھو نام اللہ کا

ان کے کلام میں دعائیہ اشعار گاہے گاہے ملتے ہیں۔مثلاً ؎

ہمارے نفس کو رغبت ملے سلیقے سے
ہمیں کبھی بھی نہ آشفتگی میسر ہو

پندونصائح بھی خوب فرماتی ہیں ؎

جو بھی ہوتے ہیں کام سے مخلص
لوگ وہ کامیاب ہوتے ہیں
رحم کر جاؤ تم عدو پر بھی
اپنے اخلاق کو سنورنے دو
ملے گا کیا ثمر پھر آخرت میں ایسی نیکی کا
دِکھانے کے لیے دنیا کو تم خیرات کرتے ہو

شعری حسن تضاد پیش ہے ؎

دُشمنوں کا وجود ہوتا ہے
دوست اکثر سراب ہوتے ہیں
تمہاری چاندسی قسمت، مری قسمت اندھیروں سی
تمہیں نسبت ہے گلشن سے، مرا گھر خارزاروں میں

تیور ملاحظہ ہوں ؎

تیل اب کے نہیں لہو ہے مرا
اب مخالف ہوا کو چلنے دو

ان کا ذوقِ شخصیت اس شعر سے خوب جھلکا ہے ؎

جو لوگ روح میں اُترے ہوں روشنی کی طرح
وہ ساتھ ہوں تو مقدر سنورنے لگتے ہیں

رومانوی اشعار کے موتی جا بجا بکھرائے ہیں ؎

آنکھیں ملیں آنکھوں سے ذرا دیر کو اُن سے
سب کچھ میں لُٹا آگئی شاید وہیں پل میں
اِک عمر کی خاطر تھا کیا جس کے حوالے
اس دل کا مکاں چھوڑ گیا وہ مکیں پل میں

اس شعر میں صنعت اعداد کا کیا خوب استعمال کیا ہے ؎

ارے کچھ فرق ہوتا ہے حقیقت اور فسانوں میں
ملا کر تین میں تم تین، چھ کو سات کرتے ہو

حب الوطنی کے جھونکے اس کتاب کے مطالعے میں ملتے رہیں گے ؎

مدھر آواز جھرنوں کی ترے ان لالہ زاروں میں
وطن ایسا کہیں ہوگا فلک کے چاند تاروں میں

تصوف اور بصیرت ملاحظہ ہو ؎

خدا خاموش بیٹھا قلب کی گہرائیوں میں تھا
نہیں گنبد کے نیچے اور نہیں اونچے مناروں میں

سہلِ ممتنع میں اشعار بھی کہہ جاتی ہیں ؎

خواب باقی ہے رات باقی ہے
نیند کی کائنات باقی ہے
اور کچھ دیر جاگنا ہے مجھے
کچھ ستاروں سے بات باقی ہے

آج کل کے تیز رو دور اور کثرت اخبار کو کیا خوب بیان کیا ہے ؎

کرے گا کون دریا بند کوزے میں
مسلسل تیز پانی کی روانی ہے

صنعت تکثیر کا خوبصورت استعمال ؎

بس ایک یاد سے نکلیں ہزارہا یادیں
اُس ایک شاخ سے پھوٹے ہیں شاخسانے بہت

صنعت تشبیہ کیا خوب پیش کی ہے ؎

کاغذی جھیل میں کنول کی طرح
گنگنا تو مجھے غزل کی طرح
تیرتی ہوں وجود میں تیرے
جل پری میں، تو ایک جل کی طرح
شاعرانہ مزاج ہے میرا
میں ہوں زلفوں میں ایک بل کی طرح

غزلیات کے علاوہ نثری نظمیں بھی اس مجموعے میں شامل ہیں۔نثری نظموں میں حصولِ پختگی کا انہیں ابھی ایک طویل سفر درکار ہے۔اچھی کہی ہیں مگر آپ کو یہ اندازہ ہوجائے گا کہ ثمر بنیادی طور پر غزل گو شاعرہ ہیں۔

ثمر عزم اور اُمیدوں کی شاعرہ ہیں۔ ویسے جب وہ سنجیدہ بھی ہوتی ہیں تو چہرے سے مسکراہٹ جھلکتی ہے۔ ان کا یہ جوہرِ طبع ان کی شاعری سے بھی منعکس ہوتا ہے۔ درد و مصائب، شکوے گلوں اور کسک کو بھی عمدہ شعر بند کیا ہے۔

اختصار کی خاطر قلم کو روک رہا ہوں ورنہ شعروں کا انتخاب یہاں رُکا نہیں ہے۔ یہ کام میں اب آپ قارئین پر چھوڑتا ہوں۔ مجھے اُمید ہے کہ ثمر شاعری کے قارئین کو عنقریب دوسرا مجموعہ کلام ایک خوبصورت مہکتے گلدان کے طور پر پیش کریں گی۔ میں منتظر ہوں۔

آصف علی آصف

کراچی۔ ۵ر نومبر ۲۰۲۲ء

گفتنی

میرے والد اور دادا واحد بخش خان واحد مصنف اور شاعر تھے، نیز نظم اور نثر کی کئی تصانیف ان سے یادگار ہیں، علاوہ ازیں پیارے ماموں جان عبدالسلام عارف حال مقیم کینیڈا بھی معروف ادبی شخصیت ہیں۔

اپنے نام ثمرین کے ساتھ، ندیم اور ثمر کا اضافہ ثمرین لغاری سے مجھے ثمرین ندیم ثمر بنا گیا۔

عروس البلاد یعنی روشنیوں کے شہر کراچی کی علمی اور ادبی فضا نے مطالعے کا ذوق پیدا کر ہی دیا تھا سو بچپن ہی سے اسکول (آرمی پبلک اسکول) کی ادبی سرگرمیوں اور مطالعے کے ذوق وشوق نے اسکول کے میگزین وغیرہ میں نظمیں لکھنے اور شائع کروانے کی راہ دکھائی۔ شادی کے بعد عرصہ پچیس سال سے میں مڈل ایسٹ کے مختلف ممالک میں اپنے شوہر کے ہمراہ رہ رہی ہوں اور عرصہ دس سال سے دوحہ قطر میں مقیم ہوں۔ میرے شوہر بینک میں جاب کرتے ہیں۔ ہمارے ماشاءاللہ تین بچے ہیں جن میں بڑی بیٹی ربیعہ ندیم جلد ہی ڈاکٹر ہو جائیں گی، بڑا بیٹا طلحہ صدیقی کینیڈا کی یونیورسٹی میں زیر تعلیم ہے اور چھوٹے صاحبزادے اِرحم صدیقی یہاں دوحہ میں برٹش اسکول میں زیر تعلیم ہیں۔

عرصہ دراز سے شعر سے شغف اور شعر گوئی کا ذوق وشوق سر اُٹھاتا رہتا تھا تاہم آمد کا سلسلہ دراز ہونے لگا اور کافی کلام کہہ ڈالا تو مجموعے کی اشاعت کا خیال آیا اور اب آپ کے ہاتھوں میں 'خوشبوئے خیال' کا ترمیم و اضافہ شدہ ایڈیشن پورے اعتماد سے پیش خدمت ہے۔ پیش نظر مجموعے کی اشاعت شاید ممکن نہ ہو پاتی اگر عبدالرحمن ندیم اور دوست احباب معاونت اور حوصلہ افزائی نہ فرماتے۔ میں مجموعے میں شامل آرا اور مضامین تحریر کرنے والے تمام احباب کا فرداً فرداً دلی شکریہ ادا کرتی ہوں۔ نیز اس مجموعے سمیت زندگی کی دوڑ میں میری ہر کامیابی کے پیچھے میری والدہ کی حوصلہ افزائی اور دعائیں ہمیشہ شامل حال رہتی ہیں۔

ثمرین ندیم ثمر

حمدِ باری تعالیٰ

ہر مسرّت میں ہو نام اللہ کا
ہر مصیبت میں لو نام اللہ کا

ابتدا جب کسی کام کی کرنی ہو
لب پہ جاری کرو نام اللہ کا

ہر دو عالم میں شے کوئی ایسی نہیں
جس پہ لکّھا نہ ہو نام اللہ کا

تم پہ جاری رہے نہرِ کوثر کا نور
خود میں جاری رکھو نام اللہ کا

جب تلک دم بہ دم چل رہا ہے قلم
لوحِ دل پر لکھو نام اللہ کا

کر سکو تو کرو وردِ اللہ ھُو
پڑھ سکو تو پڑھو نام اللہ کا

آئے گا اے ثمرؔ نزع کے وقت کام
بر زباں ورد ہو نام اللہ کا

نعت شریف

ستارہ سا مجھ میں چمکتا رہے نام پیارا محمد
گلستانِ دل میں مہکتا رہے نام پیارا محمد

ہوئے ہیں اِسی نام پر سارے عاشق فدا جسم و جاں سے
ہمیشہ دلوں میں دھڑکتا رہے نام پیارا محمد

رہیں ضوفشاں میرے جذبات ہردم نبی کی ثناء سے
خیالات میں بھی دمکتا رہے نام پیارا محمد

منوّر اُٹھیں میری نظریں جو سُوئے فلک دیکھنے کو
ستاروں نظاروں میں یکتا رہے نام پیارا محمد

وہ دل یعنی زندہ، وہ سینے ہیں روشن، وہ دل ہے مقدس
وہ دل جس میں یعنی کھنکتا رہے نام پیارا محمد

ثمؔر جو ملے حشر میں ان کا جلوہ میں قربان جاؤں
وہاں بھی مِرا شوق تکتا رہے نام پیارا محمد

مناجات

ہمیں جو قلب کی پاکیزگی میسّر ہو
عبادتوں میں ہمیں پختگی میسّر ہو

عطا ہو شکرگزاری کی کیفیت یارب
دلوں میں صبر کی بالیدگی میسّر ہو

اگر وجود ہو بوجھل تو حمد کیا ہو بھلا
دعا کرو کہ تمھیں سادگی میسّر ہو

ہمارے نفس کو رغبت ملے سلیقے سے
ہمیں کبھی بھی نہ آشفتگی میسّر ہو

کلامِ پاک کے احکام پر رہیں قائم
نماز میں دِلی وابستگی میسّر ہو

ثمرؔ کو اپنا ہی محتاج رکھ خدائے عظیم
ترے ہی لطف سے آسودگی میسّر ہو

زندگی وصلِ یار تو نہیں تھی
اِس قدر پُر بہار تو نہیں تھی

ہجر کی ابتدا میں آنکھ مِری
واقفِ انتظار تو نہیں تھی

اُن دنوں رہگُذر تھی انجانی
ہم قدم رہگُذار تو نہیں تھی

کبھی فرصت ملے تو سوچنا، میں
تیرے گلشن کا خار تو نہیں تھی

تیرے ملنے سے پہلے یہ دھڑکن
اس قدر بے قرار تو نہیں تھی

بے نیازی ثمرؔ پہ چھائی رہی
وہ طلبگارِ یار تو نہیں تھی

۞

تیرا وعدہ بھی معتبر تو نہ تھا
کرلیا اعتبار، ڈر تو نہ تھا

سلسلے سب وفا کے چلتے رہے
زیر ہی دل رہا زبر تو نہ تھا

بے وفائی بھی ہے ہنر لیکن
کوئی نسخہ یہ کارگر تو نہ تھا

بحرِ الفت میں جو پھنسے، ڈوبے
راستہ ایسا بے خطر تو نہ تھا

کاش میں تجھ کو آزماتی کبھی
تُو ریاضت کا ہی ثمؔر تو نہ تھا

وہ اجنبی جو کبھی اپنے لگنے لگتے ہیں
تو ان کے ساتھ زمانے ٹھہرنے لگتے ہیں

جو لوگ روح میں اُترے ہوں روشنی کی طرح
وہ ساتھ ہوں تو مقدّر سنورنے لگتے ہیں

وہ جن کے دم سے لگے زندگی حسین مجھے
وہ بن کے شمّع مِرے دل میں جلنے لگتے ہیں

تمام عمر رہے کاش اُن کا ساتھ ثمؔر
وہ اجنبی جو کہ دل میں دھڑکنے لگتے ہیں

ہلچل سی ہو جیون کے ہمارے حسیں پل میں
ہو تم سے ملاقات ہماری کہیں پل میں

جانے کہاں گُم ہوگئی نسبت وہ رفاقت
اے کاش کہ پھر سے ہوں وہ پہلونشیں پل میں

من کو مِرے مہکا گیا جھونکا تھا ہوا کا
محسوس ہوا گویا کہ تم تھے کہیں پل میں

آنکھیں ملی آنکھوں سے ذرا دیر کو اُن سے
سب کچھ میں لُٹا آ گئی شاید وہیں پل میں

اک عمر کی خاطر تھا کیا جس کے حوالے
اس دل کا مکاں چھوڑ گیا وہ مکیں پل میں

ساون کی جھڑی آج لگی یاد کی صورت
تم سے ہو ملن کاش ثمرؔ کا حسیں پل میں

محبّت میں جو تم یہ جرأتوں کی بات کرتے ہو
مِری سانسوں کو تم یوں وصل کی سوغات کرتے ہو

ضروری تو نہیں ہر آدمی ہو عشق کا مارا
نصیحت کیوں یہ تم ہر شخص کو دن رات کرتے ہو

نظر جیسا جو آتا ہے نہیں ہوتا حقیقت میں
ہر اک کو کیوں سمجھ کر تم برابر بات کرتے ہو

تمھیں احساس کب ہے مجھ پہ برساتے ہو انگارے
ہمیشہ تلخ لفظوں کی عبث برسات کرتے ہو

ارے کچھ فرق ہوتا ہے حقیقت اور فسانوں میں
ملا کر تین میں تم تین چھ کو سات کرتے ہو

ملے گا کیا ثمر پھر آخرت میں ایسی نیکی کا
دکھانے کے لیے دنیا کو تم خیرات کرتے ہو

مدُھر آواز جھرنوں کی تِرے ان لالہ زاروں میں
وطن ایسا کہیں ہوگا فلک کے چاند تاروں میں

قدم اٹھتے چلے جاتے ہیں تیری یاد میں جب بھی
ابھی تک ہے بسی تیری مہک اِن رہگزاروں میں

زمانے سے چُرا کے تم کو اپنے نام کرلیں گے
چُنا ہے دل نے اک تم کو ہزاروں شاہ پاروں میں

تمھاری چاند سی قسمت، مِری قسمت اندھیروں سی
تمھیں نسبت ہے گلشن سے، مِرا گھر خارزاروں میں

کہاں اب محفلِ یاراں کہاں رعنائیاں دل کی
ابھی بس ہے مِرا مسکن تِری یادوں کے غاروں میں

خدا خاموش بیٹھا قلب کی گہرائیوں میں تھا
نہیں گنبد کے نیچے اور نہ ہی اونچے مُناروں میں

خواب باقی ہے رات باقی ہے
نیند کی کائنات باقی ہے

اور کچھ دیر جاگنا ہے مجھے
کچھ ستاروں سے بات باقی ہے

نیند جس نے اُڑائی ہے میری
اُس کے غم سے نجات باقی ہے

اور گہرے اندھیرے ہوں گے ابھی
ہجر لمحوں کی رات باقی ہے

پاس بیٹھو ذرا ثمرؔ کچھ دیر
لمحہ لمحہ حیات باقی ہے

صنم پتھر کے یہ میری کہانی ہے
پرستش میں تمھاری زندگانی ہے

ہوئے قیدی تمھاری شخصیت کے ہم
گنوا دی ہم نے یہ ساری جوانی ہے

کرے گا کون دریا بند کوزے میں
مسلسل تیز پانی کی روانی ہے

بسا تیرا تصوّر ذہن میں ہر پل
مِری بیٹی! تُو میرے دل کی رانی ہے

میں ہوں غمگیں محبت کے سرابوں میں
وہی بے ربط سی میری کہانی ہے

محبت میں کیا ہے وقت کو برباد
مگر اب کے ثمرؔ نے ہار مانی ہے

ہماری ذات سے منسوب ہیں فسانے بہت
ہیں لگتے پیار میں الزام بھی سہانے بہت

مِرا جو دوست تمہیں دیکھ لے تو وہ بھی فِدا
مجھے ہے ڈر میں نے پالے ہیں دوستانے بہت

لکھا جو نام ترا آتی جاتی لہروں پر
مچی ہیں ان میں کیوں بے چینیاں نجانے بہت

وہ میرے پاس سے گزُرا تو وقت تھم سا گیا
گھڑی کی سوئی میں اٹکے ہیں کیا زمانے بہت

چھپائی عشق کی ہم نے تو داستان بہت
نکل کے آرہے ہیں اُس سے بھی فسانے بہت

بس ایک یاد سے نکلیں ہزارہا یادیں
اُس ایک شاخ سے پُھوٹے ہیں شاخسانے بہت

کاغذی جھیل میں کنول کی طرح
گنگنا تُو مجھے غزل کی طرح

وصل تیرا ہے ایک پھل کی طرح
دل کو چِیرے ہے ہجر ہل کی طرح

تیرتی ہوں وجود میں تیرے
جل پری میں تُو ایک جل کی طرح

شاعرانہ مزاج ہے میرا
میں ہوں زلفوں میں ایک بل کی طرح

وہ کئی سال میرے سنگ رہا
جو کہ گزرے ہیں ایک پل کی طرح

اُس سے دُوری کا بھی خیال ثمرؔ
کاٹتا ہے مجھے اجل کی طرح

کِھل جاتا ہے دل جب تم آجاتے ہو
مِلتا ہے ساحِل جب تم آجاتے ہو

چاند ستارے دھوپ ہوائیں اور موسم
بنتے ہیں قاتل جب تم آ جا تے ہو

تم بن تو یہ زیست ادھوری سی رہتی ہے
ہوتی ہوں کامل جب تم آجاتے ہو

ہوں میں الگ آپ اپنے سے لیکن خود میں
ہوتی ہوں شامل جب تم آ جاتے ہو

ماند ستارے سُونی سُونی راتوں کے
ہوتے ہیں جھلمل جب تم آ جاتے ہو

غزل پڑھوں میں تری اور سُنا کرے کوئی
جو مجھ سے ذکر ترا بارہا کرے کوئی

محبّتوں میں بھی کچھ نوک جھونک ہوتی ہے
رکھوں میں سر پہ اگر تُو گِلہ کرے کوئی

میں خود کو بھول کے بس اُس کی ہو کے رہ جاؤں
مجھے بھی چاہنے میں انتہا کرے کوئی

یہ وقت پندونصائح کا اب رہا ہی نہیں
اب ایسے دور میں زحمت یہ کیا کرے کوئی

صریح فہم ہو حالاتِ حاضرہ کی، اگر
گذشتہ وقت کے صفحے پڑھا کرے کوئی

دوا سے عشق مزید اور بڑھتا جاتا ہے
یہ حال ہو تو مسیحا بھی کیا کرے کوئی

یہ روگ پیری میں دیکھا ہے تو ثمر کیسے
جواں رُتوں میں سنبھل کر چلا کرے کوئی

نہ جانے گئے تم کہاں ہو
بلا لو مجھے تم جہاں ہو

ہوئے گم ہو تم کس طرح سے
جدھر دیکھوں تم ہی وہاں ہو

یہ کیا بات ایسی ہے تم میں
بنے تم جو میرے نشاں ہو

سفر کی کڑی دھوپ میں تم
مرے سر پہ اک سائباں ہو

کیا تم نے سایہ جو مجھ پر
مِرے سر کا تم آسماں ہو

دوا شاعری کی پلا کر
ثمرؔ تم بہت مہرباں ہو

مِرے دل میں نقشِ قدم کے نشاں ہیں
یہی اب تِرے عشق کے امتحاں ہیں

ستمگر! مجھے تُو نہ ایسی سزا دے
تِری بے رُخی کے یہ تیر و کماں ہیں

دِیے جل گئے میری غزلوں کے ہر سُو
تِرے ہی تصوّر سے یہ ضوفشاں ہیں

جلی آتشِ ہجر ہے اب تلک جو
فسانے محبت کے اب تک جواں ہیں

اُداسی کے نرغے میں کب سے کھڑی ہوں
یہ تنہائیاں کس قدر بے اماں ہیں

زمانہ چلا چال، غم کیا ثمرؔ کو
مِرے حوصلے ہی مِرے دوستاں ہیں

چراغ جلتے رہے تھے تیرے ستم سے پہلے
کرن کرن پرُ بہار تھی شامِ غم سے پہلے

نصیب میں جو لِکھا تھا میرے ملا مجھے وہ
ہُوا مِرا ہمسفر وہ پہلے قدم سے پہلے

دلوں کے شکوے شکایتوں کو معاف کر دے
کروں تِرا شکر اے خدایا کرم سے پہلے

نئے سفر کے لیے نئے راستے سبھی ہم
تراش لیں گے تمھارے نقشِ قدم سے پہلے

یہ خاص تحفہ عطائے ربِّ کریم کا ہے
کہ پاک کر لو دِلوں کو اپنے حرم سے پہلے

یہ اُڑتی پھرتی سی تتلیاں ہیں جو کونپلوں پر
ثمرؔ گُلوں پر بہار آئی صنم سے پہلے

جانے کب پورے ہوتے ہیں
خواب سبھی دھوکے ہوتے ہیں

آتے جاتے وقت کے پابند
پیار بھرے لمحے ہوتے ہیں

نیند خماری جب ہوتی ہے
ہم خوابوں سے جُڑے ہوتے ہیں

دل کے سارے اوہام ابہام
سچّائی سے بندھے ہوتے ہیں

دوست کسی کے کیا ہوں گے جو
اندر سے جھوٹے ہوتے ہیں

ہوتی ہے تعبیر تمھاری
خواب ثمر لکھّے ہوتے ہیں

دیر تک جلتے دیوں کی روشنی گھٹنے لگی
جو سُروں کی لے فضا میں تھی وہ اب تھمنے لگی

آگ جو لگنی تھی کب کی لگ کے یارو بجھ چکی
راکھ جیون کی مِری اب دھوپ سے جلنے لگی

زیست کی رعنائیوں میں مت گھسیٹو پھر مجھے
شوق یہ ہے وہ کہ جس کی پیاس اب بجھنے لگی

دوستوں کی انجمن میں وقت گزرا ہے بہت
محفلوں کی شمّع اب کے سرد ہے پڑنے لگی

جشن اپنے وصل کا تھا ماند یوں پڑنے لگا
اب ستم ہے وقت کا ہر شے عدُو بننے لگی

منزلیں کافی ہوئیں جب طے، سفر تھمنے لگا
پا کے سب کچھ شکر رب کا اب ثمر کرنے لگی

زیست لہروں کی بس روانی ہے
کچھ بھی دائم نہیں ہے فانی ہے

وقت ہے ہاتھ سے پھسلتی ریت
وقت بہتی ندی کا پانی ہے

خوش ہوا ہے ترِے گلستاں کی
جنّتوں سی مہک سہانی ہے

چھیڑتی ہے جو دل کے تاروں کو
دل کے جذبات کی روانی ہے

یہ سفر زندگی کا سنگ ترِے
جیسے خوابیدہ سی کہانی ہے

ہر نئے دن نئی امنگ اٹھے
یعنی پھر آمدِ جوانی ہے

سوا یاد وہ آ گیا تھا مگر پھر
اُسے دل سے اِک دن نکالا مگر پھر

بہت ضبط ہم نے کیا تھا قسم سے
ذرا سا بھی اُس کو نہ دیکھا مگر پھر

پکارے گیا دل اسے پھر برابر
کبھی لوٹ کر وہ نہ آیا مگر پھر

کڑی دھوپ میں ایک بادل کا ٹکڑا
ہوا تھا ذرا دیر سایہ مگر پھر

کوئی ایک دو دن بھلایا بھی اُس کو
اثر کچھ ہوا تھا دوا کا مگر پھر

ذرا دیکھئے تو ثمر کو ہُوا کیا
وہ خوش تھی، سبھی نارمل تھا مگر پھر

یہ دل دھڑکنے لگا ساون آج پھر برسا
بدل رہی ہے فضا ساون آج پھر برسا

یوں بن کے چاند مرے دل میں گھر کیا تم نے
پھر ایک بوند بنا ساون آج پھر برسا

بلا رہی ہے سمندر کے پار لال شفق
تری محبّتوں کا ساون آج پھر برسا

ہے ریگزار کی یخ بستہ سرد راتوں میں
تمھاری یاد سَوا ساون آج پھر برسا

یہ چاندنی کے ملائم حسیں اجالوں میں
ہے تیرا لمس بسا ساون آج پھر برسا

نہ بادلوں کی گرج ہے، نہ صاعقہ کی چمک
ثمرؔ کی بھیگی رِدا ساون آج پھر برسا

آدم جو آب و خاک سے آئے ظہور میں
سجدے کیے فرشتوں نے نوری حضور میں

گوندھا گیا ہے خاک سے انسان کا خمیر
اس کو ملی بصیرتیں تحت الشّعور میں

اُترے زمیں پہ آدم و حوّا تو ساتھ ساتھ
صد ہجر والے اشک بہائے وفور میں

ایمان کی تو یہ ہے کہ وعدہ خدا کا ہے
ایماں رکھا تو پھر سے نہاؤ گے نور میں

قائم نماز کرنے سے پائے گا یہ ثمر
سجنے لگیں گی جنّتیں اس کے حضور میں

وہ بھی حیران ہوا دیکھ کے وحشت میری
خوف تھا اُس کو نہ رُسوا کرے نسبت میری

عشق میرا تو نہیں شرطِ وفا پر موقوف
تیری الفت سے تِرے دل میں ہے الفت میری

درمیاں رہتی ہے بے چاری محبّت رقصاں
اک ضرورت ہے تِری ایک ضرورت میری

اے صنم تُو نے محبّت کا صلہ خوب دیا
عشق دیکھا مِرا اب دیکھ عداوت میری

گفتگو میں تِری گرہیں بہت ابہام کی ہیں
چور دل میں ہے تِرے دیکھ صراحت میری

بے وفائی کا تری کب کیا شکوہ میں نے
ڈھانپتی ہے تری لغزش کو سخاوت میری

اگر رستہ بدلنا تھا تو مَیں پہلے بدل جاتی
تمھارا چھوڑ کر مَیں ہاتھ طوفاں سے نکل جاتی

علی الاعلان تم نے آج کیوں پیمان توڑا ہے
تمھارے جھوٹے وعدے سے بہلتی تھی، بہل جاتی

وفا کا کب جفا کاروں سے چاہا تھا صلہ مَیں نے
اگر اُمیّد ہوتی، یہ نظر کب کی بدل جاتی

گرانے میں تمھارا ہاتھ بھی شامل رہا ورنہ
سنبھلتے ہی سنبھلتے آخرش مَیں بھی سنبھل جاتی

مِرا دل تکتا رہتا ہے مجھے ، مَیں در کو تکتی ہوں
اگر یہ سلسلہ رُکتا خوشی سے جاں نکل جاتی

یہ سارے فن ثمرؔ وحشت جنوں کے شاخسانے ہیں
نہ ہوتی مَیں اگر شاعر تو صحرا میں نکل جاتی

ختم ہے انتظار کا موسم
آ گیا وصلِ یار کا موسم

ہلکا ہلکا خمار کا موسم
کِھل اٹھا ریگزار کا موسم

ساتھ تیرا ہے تو حسین ہے زیست
ورنہ کیا ہے بہار کا موسم

ملا اِک جام تیری آنکھوں سے
مجھ پہ چھایا خمار کا موسم

تجھ سے ہے زندگی سکوں پرور
چار سُو ہے قرار کا موسم

میری نس نس، مرے نفس میں رواں
تیری الفت کا، پیار کا موسم

کل وہ بچھڑا تو رہ گیا ہے ثمرؔ
صرف گرد و غبار کا موسم

مرے دل میں بہاریں آگئیں یاد آ گئے پھر تم
نئے رنگوں میں ڈھل کر رنگ میں نہلا گئے پھر تم

صدا آئی تمھارے آنے کی تو جھوم اٹھی میں
فضا میں چار سُو رنگینیاں بکھرا گئے پھر تم

تمنا ہے تمہیں دیکھوں، تمہیں پوجوں، تمھیں چاہوں
مِرے سپنوں میں خوابوں میں سمانے آگئے پھر تم

تمھی پر شاعری لکھوں تمھی کو گنگناؤں میں
لہو بن کر مری نس نس میں ایسے آگئے پھر تم

مرا پل پل گزرتا ہے تمھارے دھیان میں جاناں
مجھی کو مجھ میں کتنی دور تک پھیلا گئے پھر تم

ہواؤں نے نئے پھر کر دیے مجھ میں دیے روشن
ثمرؔ کی زندگی میں یوں سمانے آگئے پھر تم

حُسن کو آئینے کی عادت ہے
عشق کو جانچنے کی عادت ہے

تو ہی مرکز ہے آرزوؤں کا
تجھی کو چاہنے کی عادت ہے

تیرے باعث خدا ملا ہے مجھے
تجھی کو مانگنے کی عادت ہے

اس میں تیرا قصور ہے ہی نہیں
دل کو ہی ٹوٹنے کی عادت ہے

منزلیں دُور راستے ہیں طویل
فاصلے ناپنے کی عادت ہے

دن کو عادت نہیں ہے سونے کی
رات کو جاگنے کی عادت ہے

ہے مرض تجھ کو یاد کرنے کا
باقی سب بھولنے کی عادت ہے

آپ بن کر مجھے ہمسفر مِل گئے
باغِ دل کھل اٹھا، مل کے گُل کِھل گئے

تُو ملا تو ملا مرہمِ زخم بھی
زخم جو تھے پرانے سبھی سِل گئے

میکدے میں نہیں اب وہ پہلے سی بات
آئے تھے خوش بہت، ہو کے بددِل گئے

اب کے سیلاب نے کانٹے وہ بوئے ہیں
پاؤں ہیں زخم زخم، نقشِ پا چھل گئے

اس میں طوفان کا دوش کیا ہے بتاؤ
ڈوبنے والے خود سوئے ساحل گئے

تم نے کیا شعر سچا سنایا ثمرؔ
واہ وا تھم گئی، سب کے لب سِل گئے

کٹھن تھی راہ گذر موڑ بھی بلا کا تھا
کہ دوستی میں بھی ماحول کچھ دغا کا تھا

زمیں ٹھٹک گئی، افلاک پر نظر تھی مِری
ہوا تھی ساتھ مِرے اور سفر خلا کا تھا

نہ واعظوں کو مِری بات کچھ سمجھ آئی
کہ میرا تھا ہی نہیں مسئلہ وفا کا تھا

محبتوں کے سبھی دعوے پڑ گئے جھوٹے
پڑی دراڑ تو جھونکا وہ اک ہوا کا تھا

نہ پوچھو کتنا کٹھن تھا ثمرؔ وفا کا سفر
بغیر دوست کے احساس اک خلا کا تھا

مجھ میں تتلی بھرے سو رنگ بکھر جاتے ہیں
تیرے آنے سے مرے خواب سنور جاتے ہیں

مجھ میں بھر جاتے ہیں صد موسم گل کے آثار
آپ جھونکے کی طرح چھو کے گُزر جاتے ہیں

کون پوچھے گا ہمیں، کس کو ہماری ہے خبر
ہم کدھر جانے کو نکلے تھے، کدھر جاتے ہیں

تھام کر ہاتھ تری یاد کا شب ہوتے ہی
ہم تصور بھری محفل میں اُتر جاتے ہیں

اب تو خوشیوں سے بھی کترائے ہمارا دل یوں
اک حسیں خواب سے بھی خواب میں ڈر جاتے ہیں

بے وفا کے لیے وحشت یہ جنوں کیوں ہے ثمرؔ
زخم لگتے ہیں تو کچھ وقت میں بھر جاتے ہیں

آپ نے کی تھی وفا ہم بھی کوئی کم تو نہ تھے
ہم تھے اک زخم مگر آپ بھی مرہم تو نہ تھے

ہم اگر خواب تھے تعبیر میں ہم ہی تھے عیاں
ہاں تصور میں کبھی آپ بھی مبہم تو نہ تھے

آپ مشہور بہت ہوں گے مسیحائی میں
صاحبِ دل تھے مگر، صاحبِ مرہم تو نہ تھے

منہ چھپانے میں جناب آپ نے تو حد کر دی
بے وفائی پہ ہم ایسے کوئی برہم تو نہ تھے

جھیلتے ہم بھی کہاں تک ترے صدمے اے دل
غم زمانے کے ہمیں ویسے بھی کچھ کم تو نہ تھے

ہم ثمرؔ ترک تعلق نہیں کرتے واللہ
کچھ وفاؤں کے مگر، سلسلے پیہم تو نہ تھے

پھول کے رکھے کتابوں میں نشاں تیرے لیے
پھر بہت ہم ترسے ہیں نامہرباں تیرے لیے

وقت کی نامہرباں آندھی اڑا کر لے گئی
ڈائری میں جو لگائے گلستاں تیرے لیے

سرخ رو ہم نے کیا تیرے لیے راہوں کو یوں
کچھ گلابوں کی چُنی تھیں سُرخیاں تیرے لیے

سو خزائیں آئیں لیکن ایک تیری یاد سے
آج بھی مہکا ہوا ہے یہ جہاں تیرے لیے

زندگی کی راہ میں جب ٹوٹ کر بکھری تھی مَیں
عشق کو مَیں نے کیا تھا آستاں تیرے لیے

ان گلابوں میں ثمرؔ خوشبو رہے باقی سدا
خوشبوئے جاں سے رہے مہکا جہاں تیرے لیے

میرے چہرے پہ تھا ملال ثمر
کھل گیا اس پہ دل کا حال ثمر

ٹھہری ٹھہری سی تھی ندی لیکن
اُس میں گہرا پڑا تھا جال ثمر

عشق کے نام کو وظیفہ کروں
حسن میرا ہو لازوال ثمر

منزلِ عشق لاکھ دُور سہی
ہے مگر عزم بے مثال ثمر

پڑ گیا جس پہ عشق کا فتراک
اُس کا بچنا ہوا محال ثمر

ہوئی محفل میں داد کی برسات
جب ہوا شعر باکمال ثمر

ایک لمحے میں قید ہیں مہ و سال
گردشوں میں ہیں ماہ و سال ثمرؔ

ایک بس تیرا ساتھ کافی ہے
مختصر پھر حیات کافی ہے

کل کی کل میری کائنات ہو تم
بس یہی کائنات کافی ہے

ساتھ تیرا اگر ہو تھوڑا بھی
تھوڑی سی بھی حیات کافی ہے

نشۂ وصل کے اترنے کو
ہجر کی ایک رات کافی ہے

مل گیا جتنا تیرا میرا دل
مل گیا جتنا ساتھ کافی ہے

پر خطر راہ کا ثمر نہیں خوف
ہاتھ میں تیرا ہاتھ کافی ہے

کر کے دیکھا جو ذرا، آج یہ معلوم ہوا
عشق کیا شے ہے بھلا، آج یہ معلوم ہوا

مجھے معلوم نہ تھا آئنۂ دل میں مرے
ایک چہرہ ہے چُھپا آج یہ معلوم ہوا

دوہرے معیار کے چہرے کی کھلی یہ اوقات
یہ فریبی ہے بڑا آج یہ معلوم ہوا

اب ترے کھیل کے انداز سے اندازہ لگا
دل کھلونا تھا مِرا، آج یہ معلوم ہوا

توڑنا، توڑ کے پھر جوڑنا احساس کی ڈور
مشغلہ تھا یہ تِرا آج یہ معلوم ہوا

تم پہ مر کے یہ ہمیں آج ہوا اندازہ
کیا ہے مرنے میں مزا آج یہ معلوم ہوا

اے ثمؔر ہے ترے اشعار میں ''خوشبوئے خیال''
ہے ثمؔر وار فضا آج یہ معلوم ہوا

بڑی ہے زندگی دشوار کیا کِیا جائے
غمی کا گرم ہے بازار کیا کِیا جائے

ذرا سا دل کا ہے کوزہ ہزار حسرتیں ہیں
لگا ہے حسرتی انبار کیا کِیا جائے

طویل تر ہے سفر اور زخم زخم ہیں پاؤں
پڑا ہے راستہ پُرخار کیا کِیا جائے

ہزار صبر طلب انتظار ہے لیکن
یہ انتظار کا آزار کیا کِیا جائے

اسی کی ہے طَلَبِ روز و شب بہت لیکن
اُسی سے دل بھی ہے بیزار کیا کِیا جائے

ہے تیرا ساتھ بھی حاصل، ہے تیرا ہاتھ میں ہاتھ
مگر ہے راہ جو پُر خار کیا کِیا جائے

ثمر بھی، باغ بھی، مالی بھی بک رہے ہیں یہاں
لگا ہے مصر کا بازار کیا کِیا جائے

دل نے دُکھ جھیل لیا تجھ سے جدا ہونے کا
ہم نے شکوہ نہ کیا تیرے خفا ہونے کا

ہم بھی یوں رو لیے اک بار ہی کل جی بھر کے
نہ رہا خوف، مصائب کے سوا ہونے کا

اب زمانے میں وفا نام کی شے ہے ہی نہیں
ہاں مگر سن رکھا ہے نام وفا ہونے کا

با وفا دیکھا ہے سپنوں میں ہی تجھ کو ہم نے
رنگ یہ ہے ترے وعدے کے وفا ہونے کا

مسکرا جاتے ہیں ہم سادگی پہ اپنی ثمرؔ
شوق تھا ہم کو بھی کیا کیا نہ فدا ہونے کا

جو خالی ہاتھ گزرا قافلہ تھا عشق والوں کا
انھیں کیا فکر پانی کی انھیں کیا غم نوالوں کا

ابھی کیا ہیں ترقی کی لگامیں تھامنا ممکن؟
ابھی تو آنکھ میں چھایا اندھیرا ہے اُجالوں کا

مِرے اشعار میں اترے ستارہ در ستارہ، تم
سو اُجلے کاغذوں پر قافلہ اُترا خیالوں کا

تمھارے خط تمھیں کو بھیجتی ہوں غور سے پڑھنا
خطوں میں کیا کیا میں نے حاشیہ ڈالا حوالوں کا

وہ کیا کیا میری باتوں کو گھماؤ دیتے آئے تھے
جواب اُن سے نہیں بن پڑتا اب میرے سوالوں کا

چمکتا چاند، خوشبو، گلستاں، شبنم، ستارہ ہو
حوالہ ہو مرے اشعار میں تم اِن مثالوں کا

چاند اُس کے دیس میں نکلا نہ کر
ہجر میں جلوہ نثار اپنا نہ کر

دیکھ کر تیری طرف اُڑتی ہے نیند
جانِ من تُو ایسے گھبرایا نہ کر

پھر گہن لگ جاتا ہے اے چاند یوں
چاندنی کو بے سبب چھڑکا نہ کر

یاد تیری گنگناتی ہے سدا
اس قدر دل میں مِرے دھڑکا نہ کر

جھانکتی ہوں جب جھروکے سے تجھے
دیکھ کر مجھکو تُو چھپ جایا نہ کر

رازداری چاند سے رکھ لے ثمرؔ
اُس کو سب تُو راز بتلایا نہ کر

ٹوٹا جو آئینہ تو مِرا عکس مر گیا
ہر خواب چُور چُور ہوا اور بکھر گیا

انساں کوئی بھی یوں تو مکمّل نہیں مگر
گردش میں وقت کی جو پِسا وہ نکھر گیا

سونے کی چوکھٹوں میں جڑے آئینے کا خواب
پتّھر سے کرچیوں میں بٹا اور بکھر گیا

صد شکر ٹھہرا آخرش کندن مرا وجود
بھٹّی میں زندگی کی تپا اور نکھر گیا

پھر اس کو ڈھونڈتی رہیں آنکھیں اِدھر اُدھر
کچھ پل گزار کر وہ اُٹھا اور گزر گیا

دنیا مِری رہی تھی مکمّل ذرا سی دیر
جانے کے بعد اس کے وہ منظر کدھر گیا

کل میرا عکس تیرا ہی عکّاس ہو چلا
دیکھا جو آئینہ تو مقدر سنور گیا

نظروں میں میری اُس کے علاوہ تھا کیا ثمر
پایا اُسے تو وقت کا دریا ٹھہر گیا

آج میرا دل بضد ہے تُو ہی بیٹھے سامنے
یوں تو ہیں کہنے کو لاکھوں چہرے میرے سامنے

سب گواہی دیتے ہیں میرے خلوص و مہر کی
ہاں مگر میں بے وفا بے کار تیرے سامنے

مان جس پر تھا وہ بے ایمان ٹھہرا سربہ سر
حشر میں کیا مُنہ دکھائے گا وہ رب کے سامنے

لوٹ آنے تک تمھارے وقت کٹتا ہے کٹھن
دل تو اب یہ چاہتا ہے تم ہو میرے سامنے

کیا کریں اس کے سوا، ہے رسمِ دنیا کیا کریں
عید کے دن ہنسنا پڑتا ہے سبھی کے سامنے

ہاں ثمرؔ مشقِ سخن یوں کر کہ حاصل ہو ثمر
شاعری کا ہے کھلا میدان تیرے سامنے

مزید اِس جہاں کے جہاں اور بھی ہیں
نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم کے نشاں اور بھی ہیں

چلو جشن کی بزم کو اب لپیٹو
اب آگے کڑے امتحاں اور بھی ہیں

یہ اک رمز، منزل پہ آکر کھلی ہے
یہاں منزلوں کے نشاں اور بھی ہیں

خُوشا پتّھروں کے صنم تم نے چھوڑے
مگر نصب دل میں بُتاں اور بھی ہیں

گِنت دشمنوں کی ابھی تک ہے جاری
مِرے دوست کچھ درمیاں اور بھی ہیں

یہ عشقِ مجازی تو پہلا ہے زینہ
''ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں''

تمھارا نام ساحل پر ثمؔر لکھتے ہوئے گزری
سو گیلی ریت پر یعنی سفر کرتے ہوئے گزری

سُلگتا سا دیے کی لَو میں تیرا عکس کیا دیکھا
خود اپنے آپ میں یہ زندگی جلتے ہوئے گزری

تمھارا چودھویں کے چاند سا یہ روپ کیا نکھرا
ہراِک شب چاندنی کی آرزو کرتے ہوئے گزری

سفر میں ساتھ تیرا کیا گھڑی بھر کا ملا مجھ کو
وہیں سے عمر میری دم تِرا بھرتے ہوئے گزری

فضا قوسِ قُزح کے رنگ سے رنگیں ہوئی جب سے
ہواؤں میں ثمؔر کی عمر پھر اُڑتے ہوئے گزری

سراسر ایک دن آئینے میں تو کیا نظر آیا
ثمؔر کی عمر عکّاسی تِری کرتے ہوئے گزری

وہ پھر نظر نہ ملا پائے میری نظروں سے
گرے نظر سے تو پچھتائے میری نظروں سے

میں آئینے سے ہٹاتی نہیں نظر ذرا دیر
ابھی مبادا وہ ہٹ جائے میری نظروں سے

نظر اٹھا کے میں اس بے وفا کو کیا دیکھوں
جفا جُو ہو کے جو شرمائے میری نظروں سے

یہ تیرِ طعنہ و طنز آپ بھی سنبھال رکھیں
نہ تیرِ طنز نکل جائے میری نظروں سے

تو پھر کھلے گا مری چشمِ شوق کا انداز
کہ تجھ کو ڈھونڈ کوئی پائے میری نظروں سے

چھپائے رکھا ہے اک خواب جو ثمر آور
چھپا وہ خواب نہ کھو جائے میری نظروں سے

دیے جو محبت کے جلنے لگے
تو سپنے نظر میں اُترنے لگے

سو اب لوٹ بھی آ، مرے ہمسفر
جمے اشک بھی اب پگھلنے لگے

تِرے ہجر میں اک تری یاد میں
دھواں ہو کے اب دیپ بجھنے لگے

گزاری تِری یاد میں دن کی دھوپ
ڈھلے سائے بھی اب اترنے لگے

تِرے غم کی سرشاریاں ہیں عجب
غمِ دیگراں بھی کھٹکنے لگے

ثمر بن گئی زندگی انتظار
قیامت نما پل گزرنے لگے

عشق کا ہو مَرَض تو کیا کیجے
زیست کے دن ہی بس گِنا کیجے

سانس برہم کہیں نہ ہو جائے
اتنا برہم تو مت ہُوا کیجے

نعمتِ دید اگر عطا کی ہے
حق بھی دیدار کا ادا کیجے

رکھیے خالق سے پھر بھلے کی امید
خلق کے واسطے بھلا کیجے

بیٹھے رہیے ذرا سی دیر جناب
بھر کے جی دیکھنے دیا کیجے

خفگی سہہ نہیں سکیں گے ہم
سو خفا ہم سے مت ہُوا کیجے

ہوگئیں آپ اے ثمرؔ، غالبؔ
میرؔ کو بھی ذرا پڑھا کیجے

کیسے دوراہے پر آگئی زندگی
ڈھونڈنے ہے چلی زندگی، زندگی

تُو غموں کو چھپا لے ہنسی میں ذرا
راز مت کر عیاں اے مِری زندگی

ہجرِ سہنا سلیقے سے بھی ہے ہنر
اس ہنر میں بھی ہے دل کشی، زندگی

ہم بدلنے ہی والے تھے رستہ مگر
پھر تری راہ پر چل پڑی زندگی

کی تجھے بھول جانے کی کوشش مگر
مجھ سے ہی کھو گئی کل مری ہی زندگی

ہاں ثمرؔ کو ملے گا ثمر یہ ضرور
آخرت میں ملے گی نئی زندگی

جیون دھواں سا ہوا جا رہا ہے دوست
اب دل بھی رائیگاں سا ہوا جا رہا ہے دوست

ثابت دلیل سے نہیں ہوتا کبھی بھی عشق
سب سود اب زیاں سا ہوا جا رہا ہے دوست

تیرے فراق نے مجھے چھینا مجھی سے اور
سب کچھ دھواں دھواں سا ہوا جا رہا ہے دوست

ٹکتے نہیں ہیں پاؤں وفا کے زمیں پہ اب
اب عشق آسماں سا ہوا جا رہا ہے دوست

دل بھی لہو لہو ہے، زمیں بھی لہو لہو
ہر سو لہو رواں سا ہوا جا رہا ہے دوست

رکھا ہے آج تو نے قدم دل زمین پر
دل یعنی آستاں سا ہوا جا رہا ہے دوست

غمِ دل اب سہا نہیں جاتا
اور جیون جِیا نہیں جاتا

لوگ سمجھا کے تھک گئے مجھ کو
اُن سے اب کچھ کہا نہیں جاتا

عشق کی بازی ہار بیٹھے مگر
نشہ اس کھیل کا نہیں جاتا

مِلتے جُلتے تھے ہم بھی لوگوں سے
ہاں مگر، اب ملا نہیں جاتا

زیست کرنا بھی بھول بیٹھے ہیں اور
جیتے جی بھی مَرا نہیں جاتا

ہو گئے خاک سب وفا کے ثمر
اب ثمرؔ سے جیا نہیں جاتا

مِرے چمن میں کِھلا تُو گلاب کے مانند
اندھیری رُت میں ملا آفتاب کے مانند

بنے ہیں رحل مرے ہاتھ اور ترا چہرہ
ہتھیلیوں پہ دھرا ہے کتاب کے مانند

ترے وجود سے میں جگمگا اٹھوں خود میں
مری شبوں میں چمک ماہتاب کے مانند

تصورات کی دنیا حسیں ترے دم سے
سجا ہے آنکھ میں تو میٹھے خواب کے مانند

قبول یوں مرے دل کی دعا ہوئی یعنی
ثمر ملا ہے مجھے تجھ گلاب کے مانند

بچھڑ کے تم سے گلاب ہنستے ہوئے نہ دیکھے
دوبارہ رستے ملن کے کُھلتے ہوئے نہ دیکھے

جو زخم یعنی تمھارے الفاظ نے دیے تھے
تو زندگی بھر وہ زخم بھرتے ہوئے نہ دیکھے

سلگتے جذبوں کی آگ نے سائباں جلایا
بجھانے پر بھی یہ شعلے بجھتے ہوئے نہ دیکھے

پرندے احساس کے جو دل سے اڑے تھے اک دن
تو دل کے آنگن میں پھر اُترتے ہوئے نہ دیکھے

وفا کے ساغر میں زہر تُو نے ملا دیا تھا
سو پاؤں اپنے کبھی سنبھلتے ہوئے نہ دیکھے

فراق موسم جو دل پہ اترا، ٹھہر گیا تھا
ثمر کبھی پھر شجر پہ لگتے ہوئے نہ دیکھے

میری ذات کے ہر گوشے میں شامل تُو
میرے سجدوں اور دُعا کا حاصل تُو

جانے تُو کس پار اتارے ناؤ مری
موجوں کی طغیانی تُو ہے، ساحل تُو

تُو دنیا کی آنکھوں کا تارا بن جا
گُن گائیں سب ہو جا اتنا قابل تُو

اک پل کو بھی نظروں سے مت اوجھل ہو
یوں میرے جیون میں ہوجا شامل تُو

میرا اک اک خواب بھی تیرے دم سے سجا
اور مری تعبیروں کا بھی قاتل تُو

تُو ہی ثمؔر کی تحریروں کا ثمرہ ہے
اور مرے افسانے کا بھی ناوِل تُو

جو اندھیرے بانٹے ایسی روشنی کا کیا کریں
ہر قدم پر جان لیتی زندگی کا کیا کریں

ہے ہمیں معلوم دنیا کی حقیقت سب کی سب
ہاں مگر بے چین رکھتی آگہی کا کیا کریں

پھیلتی جاتی ہے غربت کُو بہ کُو اب چار سُو
ہم مگر اب مفلسوں کی بے بسی کا کیا کریں

ہے تری سادہ طبیعت بن سنور کے مت نکل
ہم تری سادہ دلی اور سادگی کا کیا کریں

ہم تری اس کج روی کا کیا کریں اے ہم سفر
خوں رلاتی تیری خُوئے بے رخی کا کیا کریں

زیست کرنے کو ملی ہے زندگانی چند روز
ہم بھلا اس چند روزہ زندگی کا کیا کریں

تُو ثمرؔ تو چاہتی ہے اُلفتیں ہی بانٹنا
ہاں مگر لوگوں کی خوئے نفرتی کا کیا کریں

مرے پاس آ تجھ کو جینا سکھا دوں
تجھے زندگی کا پتا میں بتا دوں

مُجھے قتل کر ہاں، ذرا ٹھہر اے دوست
تِرے سامنے سُرخ موتی بچھا دُوں

تِرے سارے الزام پھر میں سُنوں گی
ذرا صبر کر میں کٹہرا سجا دُوں

بدلتا رہا تُو سفر میں بہت رنگ
اگر تُو کہے رنگ میں بھی دکھا دوں

زمانہ رُکے اور ٹھہر جائیں صدیاں
تجھے ہمسفر اب میں یہ بد دُعا دُوں

سو یوں دور ہوجائیں اک دوسرے سے
مُجھے تُو سزا دے، تجُھے میں سزا دُوں

علاج و مداوا جفاکار نکلا
مسیحا کا خنجر، جگر پار نکلا

کوئی ایک صورت نہیں ایک شے کی
جسے گل سمجھتے رہے، خار نکلا

قسم ساتھ مرنے کی کھائی تھی جس نے
مجھے چھوڑ کر وہ ندی پار نکلا

عدالت کو اب کس عدالت میں لائیں
کہ منصف ہو جب خود سِیہ کار نکلا

سخن ور کو اس کا سُخن نوچتا ہے
یہ فن شاعری کا تو خونبار نکلا

عشق کہانی میں رہتے ہیں
دل کا پاگل پن سہتے ہیں

تیری یاد میں آنسو ہر پل
رم جھم رم جھم ہو بہتے ہیں

میرے چہرے کے اڑتے رنگ
حال مرے دل کا کہتے ہیں

ہار میں بھی ہم جیت منائیں
ہار کے بھی ہنستے رہتے ہیں

خطروں سے گھبراؤ ثمرؔ مت
یہ آتے جاتے رہتے ہیں

ایک عالم میں شوق کا دیکھوں
تجھ میں اک شاہکار سا دیکھوں

دسترس میں تو کچھ نہیں لیکن
روز و شب خواب ہی ترا دیکھوں

ہر طرف تیری جلوہ فرمائی
تیرا چہرہ ہی جا بہ جا دیکھوں

مسکراہٹ ہو تیرے ہونٹوں پر
کاش یہ روپ میں سدا دیکھوں

تجھی کو آزمائے جاؤں بھی
تجھی کو سب سے با وفا دیکھوں

میں نے تو دل ثمر دیا اس کو
بہ خدا میں اسے خدا دیکھوں

اِک شناسائی تری مشکل قیامت ہوگئی
راہِ اُلفت رفتہ رفتہ اِک اذیت ہوگئی

یوں سزا ملنے لگی ہے بھول کی اپنی مجھے
ہوئی جو فصلِ وفا تیارِ حسرت ہوگئی

جب بھروسے کا بھرم ٹوٹا تو میں روئی بہت
بے وفائی کی جو کونپل تھی مصیبت ہوگئی

زندگی میں تازگی تھی جو میسّر آپ سے
بے رُخی سے آپ کی، بنجر محبّت ہوگئی

پھر دھواں اُٹھنے لگا راہوں میں تیری یاد کا
جیسے شاخِ یاد کو آتش سے نسبت ہوگئی

بیج کیا بُویا نمو کا دل کی مٹّی میں ثمر
ایک بے زاری سی جیسے میری فطرت ہوگئی

مجھ پہ پڑتی جو تیری نظر ہی نہیں
پھر تو ہوتی مری بھی سحر ہی نہیں

مہرباں مجھ پہ ہو تیری چشمِ کرم
مجھ میں ایسا تو کوئی ہنر ہی نہیں

میری وقتِ دُعا کل جو پھسلی زباں
اب کسی بات میں بھی اثر ہی نہیں

دربدر میں ہوئی ہوں تمھارے لیے
اور تم کو مری کچھ خبر ہی نہیں

زندگی میں نہ سُکھ ہے کسی بھی طرح
دل جدھر لگ سکے وہ نگر ہی نہیں

میں بھٹک جو گئی راہ سے کل تری
زیست میں اب کوئی بھی ڈگر ہی نہیں

چھاؤں تو دے، نہیں ہے ثمر کچھ اگر
خشک ہو جائے جو وہ شجر ہی نہیں

بھلا کے دوریاں شکوہ ہی کم کیا جائے
کہاں تک آپ کے ملنے کا غم کیا جائے

غموں کے مٹنے میں کچھ وقت تو لگے گا ہی
بھلا کے رنجشیں خود کو بہم کیا جائے

یہ تیری یاد ہر اک پل ہمیں ستاتی ہے
اب اپنے دل پہ بھی کتنا ستم کیا جائے

جڑا ہوا ہے تری ڈوریوں سے جیون بھی
ترے وصال کو اِن پر رقم کیا جائے

رُکی کہاں ہے کبھی زندگی کسی کی تمرؔ
کسی کی یاد میں آنکھوں کو نم کیا جائے

جو سراب ایک جل سا دکھتا ہے
تیرا نعم البدل سا دکھتا ہے

حسن کی بے شمار پرتوں میں
روپ ہر اِک غزل سا دکھتا ہے

تیرا چہرہ نظر میں ہنستا ہُوا
جھیل میں ایک کنول سا دکھتا ہے

جو چمک سی ہے تیری آنکھوں میں
اک ستارہ سجل سا دکھتا ہے

تو سراسر مری غزل کی شان
تو سراپا غزل سا دکھتا ہے

ہے ثمرؔ تجھ پہ مہرباں قسمت
یہ معمہ اَجل سا دکھتا ہے

زندگی میں مل رہی ہے ہم کو عزّت آج بھی
بندگی میں رکھی ہے اک رب کی رحمت آج بھی

گر ہے تیرے پاس میرے دل کی چابی، دوستی
پھر تو کھل جائے گی تجھ سے میری قسمت آج بھی

تیری راہوں سے گزر کر روز ہی پاؤں تجھے
مل اگر جائے مجھے ساری ہی اُلفت آج بھی

زندگی بھر یہ محبت کے میں سائے اوڑھ لوں
دل ہوا ہے خوش جو پھر پائی ہے اُلفت آج بھی

زندگی بھر میں نے جو کی اس قدر محنت ثمر
پھر مجھے ملنے لگی ہے ہر سُو عظمت آج بھی

سلسلہ کچھ شاعرانہ ہوگیا
تیرا میرا دوستانہ ہوگیا

درمیاں پھر کوئی آیا ہے ضرور
جو تعلق حاسدانہ ہوگیا

روز تیری ہی گلی سے ہے گزر
تو ہی جیسے آشیانہ ہوگیا

خانقاہوں پر رُکی جاتی ہوں میں
دل مزاجاً عارفانہ ہوگیا

تم کو پا کر جیسے دنیا جیت لی
رُخ ثمرؔ کا فاتحانہ ہوگیا

تیری صورت میں وسیلہ مل گیا
میرے زخموں کو مسیحا مل گیا

مل کے تجھ سے زخم ہوتے ہیں رفو
آسرا جینے کا ایسا مل گیا

زندگی پھر سے مہک اٹھی مری
پھر مجھے پھولوں کا رستہ مل گیا

خوشبوئیں آنے لگیں کردار سے
اک نیا مجھ کو سویرا مل گیا

چاند آنگن میں مرے آیا تھا یوں
رَت جگے کو اک بسیرا مل گیا

تیری آنکھوں میں اُتر کر یہ جہاں
اک ذرا مانگا تھا سارا مل گیا

میں نے گھوما یہ نگر سارا ثمرؔ
اک جگہ مجھ کو اُجالا مل گیا

عبادت میں گزرے حیات اس طرح
ملے کاش راہِ نجات اس طرح

ترے وعدوں کا پاس ہم نے کیا
وفا کو ملا ہے ثبات اس طرح

اثر ایسا شیریں زبانی میں تھا
ہمیں ہو گئی پھر سے مات اس طرح

ترے شوق سے جان چھوٹی مری
سکوں پا گئی میری ذات اس طرح

نبھانے کا وعدہ بھی ٹوٹا ترا
نہ برباد کر کائنات اس طرح

ثمرؔ دوست بیگانے جو ہو گئے
ہمیں پھر تو ہونی تھی مات اس طرح

دل کو جب بھی اُداس پایا ہے
پھر تصور میں تو ہی آیا ہے

اے ستم گر ستم کا کر کے ہدف
تو نے مجھ کو ہی آزمایا ہے

تو نہیں پاس تو بنا تیرے
ہر مسرّت پہ غم کا سایہ ہے

تیرے جانے کے بعد ہر شے نے
خوں کے آنسو مجھے رُلایا ہے

دُور جانے کے بعد نظروں سے
میری یادوں میں تو سمایا ہے

مجھ کو دنیا میں مل گئی جنّت
ساتھ اُس نے مرا نبھایا ہے

تیری یادوں میں گم ثمرؔ ہو کر
عمر بھر میں نے دل جلایا ہے

زندگی تجھ کو بہت دیر سے سمجھا میں نے
تیرے اَسرار کو آلام سے جانا میں نے

مشکلیں لاکھ رہیں راہ گزر میں حائل
ساتھ ہر طور مگر تیرا نبھایا میں نے

مرحلے سچ کے ہیں دشوار نہایت لیکن
حق کے رستے پہ سدا خود کو چلایا میں نے

ہوگئی حد، یہ خلش بس گئی دل کے اندر
اب غموں کو تہہ دل سے ہی سمویا میں نے

راہ یہ روشنی کی کھوجی نہایت عمدہ
اک دیا نور کا ہر سمت جلایا میں نے

دکھ مرا ختم ہوا تب کہیں جا کر اے دوست
جب کسی اور الم کو نہیں مانا میں نے

لاج رکھ لی تری ہر وعدہ خلافی کی مگر
کھوتے کھوتے یہ بھرم پھر بھی نہ کھویا میں نے

دھول جب چھٹ گئی نظروں سے ثمرؔ وہموں کی
تب مسرّت کو اُڑتے ہوئے دیکھا میں نے

بکھر گیا یہ گلستاں تو کلی سے پوچھا
قصور اپنا نہیں تھا سو تجھی سے پوچھا

بہار میں ہی خزاں کا سمے آیا ایسے
کہ تتلیوں نے بھی قصہ یہ ہمی سے پوچھا

جلا گئی وہ رقابت کی نظر سب اسباب
کہ غیر نے بھی مرا حال تجھی سے پوچھا

صفائیاں دیں بہت تو نے جو اپنے حق میں
معاملہ ترا سارا نہ کسی سے پوچھا

جنوں کی کون سی یہ آگئی منزل اس بار
کہ اپنا نام بھی وحشت میں تجھی سے پوچھا

فضا میں رنگِ جنوں جب چھلک اٹھا ہر سو
تو بے خودی نے یہ عالم بھی خودی سے پوچھا

جدائیوں میں ثمرؔ یہ بھی ہُوا سانحہ خوب
پتا بھی تیرا، ترے بعد گلی سے پوچھا

ہمہ جہت شاعر، جناب آفتاب مضطر کی مخترع،
بحر رجل مضطر: مفاعلن فعلاتن فعلاتن فعلن

چودھویں کے چاند میں وہ عکس دیکھا آج پھر
موسموں کو بھی ہے محوِ رقص دیکھا آج پھر
چاندنی بکھری تو وہ پیاری سی صورت دیکھ لی
بادلوں تاروں میں وہ اک شخص دیکھا آج پھر

صدا پر تری دل دھڑکتا بھی ہے
ترا خواب آنکھوں میں بستا بھی ہے
سرابوں کا منظر پرانا سہی
نیا چاند کرنیں چھڑکتا بھی ہے
تری یاد کا کوئی بادل سدا
خیالوں میں اب تک برستا بھی ہے

مرے سخن میں وہ شامل ہے گفتگو کی طرح
وہ آبشار سا، جھرنا سا، آب جو کی طرح
وہ دشتِ عشق میں گل پوش بھی گل پاش بھی ہے
مرے حواس پہ چھایا ہے رنگ و بو کی طرح
ملے جو تم تو لگا یوں کہ مل گئی ہے حیات
ثمرؔ ملا ہے مجھے خوب آرزو کی طرح

راحت کا سامان ہی تم ہو
مان لیا مرا مان ہی تم ہو
مجھ کو کیا ارمان کسی سے
میرا تو ارمان ہی تم ہو

چاند اس طرح سے حیرت و یاس ہے

ابر کو بھی لگی زور کی پیاس ہے

آسماں آسرا بادل اور چاند کا

ان گھٹاؤں کو تیری ہی پھر آس ہے

چاند میں بھی ہے تو اور ستارہ بھی تو

ہر نظارہ لیے تیرا احساس ہے